UNIVERSAL LIBRARY
OU_226457
UNIVERSAL LIBRARY

DAMAGE BOOK

(۷۸۶)

گلدستۂ معانی

(تحفۂ عید میلاد)

کتب خانہ
جامعہ عثمانیہ

از

(خان بہادر حاجی) رحیم بخش ایم اے
(ورکنگ سکریٹری آل انڈیا مسلم کانفرنس)
پنشنر ڈسٹرکٹ و سیشن جج
۲ فرید کوٹ روڈ لاہور (پنجاب)

حاجی رحیم بخش صاحب پبلشر نے حمایت اسلام پریس لاہور
باہتمام شیخ حسن الدین پرنٹر چھپوا کر ۲ فرید کوٹ روڈ لاہور سے شائع کیا

"گلدستۂ معانی"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ قرآن کریم اور ایک غلط فہمی کے ازالہ" میں آیہ" اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ" (۳۵ الانبیاء) کی تشریح کے وقت نوٹ میں ذکر کیا گیا تھا کہ قرآن کریم میں ترتیب الفاظ بھی معجزہ سے کم نہیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اس پر آئندہ کچھ عرض کیا جائیگا۔ پیشتر اس کے کہ نفسِ مضمون پر کچھ کہا جائے یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مفسروں نے بہت سی وجوہ سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم ایک مستقل معجزہ ہے۔ انہوں نے اس کی فصاحت بلاغت پر بحث کی ہے۔ اس کی پیشینگوئیوں سے ثبوت لیے ہیں اور اس کے نفسِ مضامین اور عبارت کو پیش کیا ہے جس کے مقابلے سے فصحائے عرب عاجز ہو گئے۔ ہم لوگ عربی زبان سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتے۔ اس لئے اہلِ زبان کی طرح اس کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ تاہم تھوڑے سے غور و فکر سے یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ قرآن کریم لفظی اور معنوی لحاظ سے حقیقتاً ایک معجزہ ہے۔ جس طرح اس کے مضامین اعلیٰ اور فطرت کے مطابق ہیں۔ اسی طرح اس کا طرزِ بیان بھی لاجواب اور فطرت کے اصول پر مبنی ہے۔ جیسا کہ چند آیات سے جو پیش کی جائینگی واضح ہو جائیگا۔

انتخاب آیات کے وقت یہ دقت محسوس ہوئی کہ کونسی آیت پیش کی جائے اور کونسی چھوڑ دی جائے انتخاب مشکل تھا۔ لہذا ایک گلچیں کی طرح کوئی پھول کہیں سے کوئی پتی کہیں سے لے کر ایک گلدستہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا مدعا یہ ہے کہ صاحب ذوق مطالعہ قرآن شریف کے وقت ترتیب الفاظ اور ان کے معانی سے استفادہ حاصل کریں۔ کیونکہ اکثر تفاسیر میں یہ پہلو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

جو کچھ اس رسالہ میں پیش کیا جاتا ہے کچھ تو تفاسیر پر مبنی ہے۔ کچھ اہلِ ذوق سے

سنا ہوا ہے اور کچھ میرے مطالعہ قرآن کا نتیجہ ہے :-

گر قبول افتد زہے عز و شرف

کہا گیا ہے کہ قرآن مجید کا طرزِ بیان افضل سے فضل کی طرف ہے - اور مثال کے طور پر یہ آیہ مبارکہ عموماً پیش کی جاتی ہیں :-

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا (پ۵ النسا)

جس کسی نے اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کی تو بلاشبہ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر خدا نے انعام کیا ہے - وہ نبی ہیں - صدیق ہیں - شہید ہیں اور صالحین (نیک اور راست باز ہیں) اور ایسے لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں - یہ تو فضل اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا -

انسانوں میں اللہ تعالیٰ کے ہاں بزرگ ترین ہستیاں "انبیاء" علیہم السلام ہیں - ان کے بعد "صدیق" ہیں - یعنی جو ظاہر و باطن میں احکام عزّوجل اور کلام نبوت کی صحیح طور پر تصدیق کرتے ہیں - ان کے بعد درجہ "شہدا" کا ہے - یعنی جو راہِ خدا میں اپنی جان فدا کرتے ہیں - اور اپنے قول و فعل سے توحید اور نبوت کی شہادت دیتے ہیں - پھر درجہ "صالحین" کا ہے - جو قرآنی اصطلاح کے مطابق کم از کم مفصلۂ ذیل اوصاف سے موصوف ہوتے ہیں -

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ۔ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (پ۴ آل عمران) (ترجمہ یہ بات نہیں کہ تمام اہلِ کتاب ایک ہی طرح کے انسان ہیں - ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے - جو راہِ ہدایت پر قائم ہے - وہ راتوں کو اُٹھ کر خدا کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور اس کے حضور سربسجود رہتے ہیں - وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں - بھلائی کے تمام کاموں میں تیز گام ہیں اور بلاشبہ ان لوگوں میں سے ہیں جو صالحین (نیک کردار) ہیں" منعم لوگوں کے

یہی مدارج ہیں۔ مگر ساتھ ہی بتادیا کہ اللہ اور اُس کے رسول کے مطیع بندوں کا عاقبت میں نبیوں، صدیقوں، شہدا، اور صالحین کے ساتھ ہونا کچھ ان کے اعمال پر منحصر نہیں بلکہ ایک فضل ہے اللہ کی طرف سے۔ یہ نہیں کہ انھوں نے اپنی اطاعت کی وجہ سے اس کرامت کو پالیا۔

اگر آیات کی ترتیب الفاظ کو مدِ نظر رکھا جائے تو بعض دیگر مسائل قرآنیہ کے سمجھنے میں نہایت آسانی ہوجاتی ہے۔ مثال کے طور پر ہم اسی آیت کو لیتے ہیں۔ نبی کا درجہ صدیق سے اور صدیق کا درجہ شہید سے بالاتر ہے۔ مگر شہید کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ
(بقر ۱۹)

(ترجمہ) جو لوگ اللہ کی راہ میں (یعنی دین کے واسطے) قتل کیے جاتے ہیں۔ ان کی ایسی فضیلت ہے کہ ان کی نسبت (یوں بھی) مت کہو کہ وہ (معمولی مردوں کی طرح) مردے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں۔ لیکن تم (ان) حواس سے (اس حیات کا) ادراک نہیں کرسکتے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ
(آل عمران - ۱۷)

(ترجمہ) اور تو ان کو جو خدا کی راہ میں مارے گئے۔ مردہ نہ گمان کرو۔ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ ان کو روزی دی جاتی ہے۔ خدا نے اپنی مہربانی سے ان کو جو دیا ہے اس پر خوش ہیں۔ اور جو ابھی ان کے پیچھے سے ان تک نہیں پہنچے ہیں۔ ان کی طرف سے بھی خوش ہیں کہ ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے وہ اللہ کے مہر و کرم سے مسرور ہیں۔ اور اللہ ایمان والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا۔

جب شہدا کو یہ زندگی حاصل ہو۔ جس کا ذکر ان آیات مبارکہ میں ہے تو انبیا علیہم السلام کی حیات بعد وفات پر یقین لانا ضروری ہوگا۔ گو اس کی کیفیت ہمارے فہم سے بالاتر ہو، میں

اس رسالہ میں ترتیب الفاظ کے اس پہلو کو جو زیادہ تر اختلافی مسائل پر روشنی ڈالتا ہے معرض بحث میں نہیں لاؤنگا۔

یہ درست ہے کہ اس آیت میں طرزِ بیان اعلیٰ سے ادنیٰ یا بالفاظِ دیگر افضل سے فضل کی طرف ہے اور عموماً ایسا ہی ہے۔ لیکن قرآن حکیم میں ترتیب الفاظ حسبِ عادت و واقعات ہر پہلو سے کچھ ایسی موزوں ہے کہ عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ اب مثالیں پیش کیجاتی ہیں:-

(۱) دُعا قربِ الٰہی کا ایک وسیلہ ہے۔ دیکھیے مسلمانوں کو کیسی بے مثل دعا تعلیم ہوتی اور کس انداز سے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝	ہر تعریف اللہ ہی کو (زیبا) ہے۔ جو سب جہانوں کا
اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝ مٰلِكِ	پروردگار ہے۔ نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے۔
يَوْمِ الدِّيْنِ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ	مالک ہے روزِ جزا کا۔ (اے اللہ) تیری ہی ہم
وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۝ اِهْدِنَا	عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۝ صِرَاطَ	دکھا ہم کو سیدھا راستہ۔ ان لوگوں کا راستہ
الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ	جن پر تیرا انعام ہوا۔ نہ ان کا جن پر تیرا
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ	غضب ہوا۔ اور نہ ان کا جو راہ سے بھٹک گئے۔
وَلَا الضَّآلِّيْنَ۝ (آمین)	(سورۂ فاتحہ)

سورۂ فاتحہ کی علمائے کرام نے عمدہ عمدہ تفسیریں لکھی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ رسالہ ترتیب الفاظ پر لکھا گیا ہے۔ اس لئے سورۂ مبارکہ کی ترتیب الفاظ جو میرے فہم ناقص میں آئی ہے پیش کرتا ہوں۔

(۱) اس سورۂ مبارکہ میں اسم ذات "اللہ" کے ساتھ چار صفات کا ذکر ہوا یعنی "رب" "رحمٰن" "رحیم" اور "مالک یوم الدین" دیکھیے ان سے مستفیض ہونے کے لئے اسی ترتیب سے کن الفاظ میں دُعا کی ہدایت ہوئی:-

اللّٰهُ	رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	رَحْمٰنِ	رَحِيْمِ	مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ
اِيَّاكَ نَعْبُدُ	اياكَ نَسْتَعِيْنُ	اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ	صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ	غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

"اَلْحَمْدُ" تو شکر اور ثنا دونوں کے لئے آتا ہے۔ جب ہم کو اللہ پر ایمان ہو اور یہ یقین ہو کہ اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ تو کس طرح واجب ہے کہ کسی اور کی عبادت کریں اس لئے "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" کہنا واجب ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہی "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" ہے۔ یعنی پرورش کرنے والا ابتدا سے انجام تک تو سوائے اس کے کس کے آگے دست طلب دراز ہو۔ لہٰذا یہی کہیں گے۔ "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ"۔ "رَحْمٰن" اور "رَحِيْم" دونوں رحم سے مشتق ہیں۔ مگر "رَحْمٰن" عام ہے اور اس صفت کا ظہور مومن و کافر ہر دو پر بغیر استحقاق ہے اور "رَحِيْم" کی صفت خاص ہے۔ جس کا ظہور مومنوں پر ہوتا ہے چونکہ اس "رَحْمٰن" نے اپنی رحمت سے ہر قسم کی ضروریاتِ انسانی کو مہیّا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس نے ہماری ہدایت کے لئے سامان نہ کیا ہو۔ اس لئے "رحمٰن" سے "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کی دُعا طلب ہوئی اور چونکہ وہ "رحیم" بھی ہے۔ اس لئے مزید استدعا ہوئی۔ کہ ہدایت کا وہ رستہ دکھا دے۔ جو اُس نے اپنے خاص بندوں کو عطا کیا ہے (صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ) چونکہ وہ "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" بھی ہے۔ یعنی جس کو ہمارے نیک و بد اعمال کی جزا سزا دینی ہے تو اس سے یہ درخواست ہوئی کہ وہ "مغضوبین" اور ضالین کے رستہ سے ہمیں محفوظ رکھے (غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ) نیز یہ بھی خیال رہے کہ "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کے مقابل "مَغْضُوْبِ" ہے اور ہدایت یعنی "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کے مقابل "ضَآلِّيْنَ" ہے۔

(ب) حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سورہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان نصفا نصف ہے۔ مجھ ناچیز کی تشریح تو آپ نے ملاحظہ کی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک خط میں جو اُنھوں نے اپنے فرزند حضرت زین العابدین علیہ السلام کو لکھا۔ اُس کی تشریح حسب ذیل طریقہ پر کی ہے اور کیا خوب کی ہے:۔

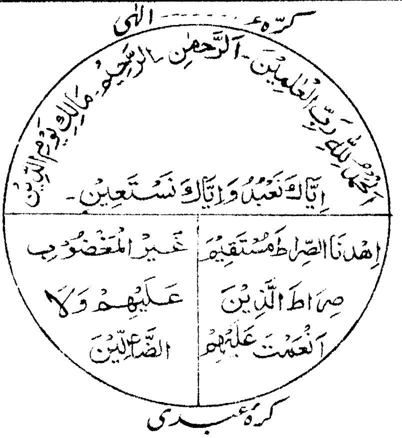

اس دائرہ سے واضح ہے کہ جو شخص کرۂ الٰہی سے فیض حاصل کرنا چاہے ۔ اُس کا وسیلہ صرف " اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ " ہی ہے ۔ یعنی مَا سواء اللہ " سے مُنہ موڑ کر صرف اللہ اور اُس کی رضامندی کا طالب ہو ۔ جتنا وہ اس پر عامل ہوگا ۔ اسی قدر اُسے کرۂ الٰہی سے نور حاصل ہوگا ۔ جتنا اس سے دور ہوگا اتنا ہی صراط مستقیم سے بھٹک کر قعرِ ضلالت میں پڑے گا ۔ اور موردِ غضب ہوگا ۔ گویا مومن و کافر ۔ نیک و بد میں اسی سے تمیز ہوتی ہے ۔

(ج) پہلے عرض کیا گیا ہے یہاں تفسیر سورہ مقصود نہیں ہے مگر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو ترتیب الفاظ ۔ رفع تکرار اور بلاغت قرآنی پر روشنی ڈالتا ہے ۔ ایک تو یہ کہ چار صفات ۔ " رب ۔ رحمٰن ۔ رحیم ۔ اور " مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْن " جن سے حمد و ثنا کی گئی ہے ۔ اپنے اندر ایک ترتیب لئے ہوئے ہیں ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا سلسلۂ پرورش اور نگہداشت مسلسل ہے ۔ گو اُس کی عام رحمت ہر ایک پر بغیر استحقاق ہے ۔ مگر مومنین پر خاص ہے ۔ اور وہ ہر ایک کو اُس کے اعمال کی جزا و سزا دینے والا ہے ۔
دوسرے دُعا کی ترتیب میں بھی ایک نکتہ ہے ۔ جب ہم نے " اِیَّاکَ نَعْبُدُ " کہا تو اُس سے گمان کبھی ہو سکتا تھا کہ ہم اُس کی شان کے لائق واقعی ماسوا اللہ سے مُنہ موڑ کر عبادت کرتے ہیں ۔ اس لئے ساتھ ہی " اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ " عرض کرنے کی ضرورت ہوئی ۔ یعنی اس

عبادت کرنے میں تیری ہی مدد چاہتے ہیں۔ اور اس پر اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ"
کی دعا کرتے ہیں یعنی ہم کو اس عبادت میں استقامت حاصل ہو۔ استقامت بھی ایسی
جو منعم لوگوں کو نصیب ہے۔ "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" یعنی وہ لوگ جن سے
کبھی دیدہ و دانستہ گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ جو نہ مغضوب ہیں نہ گمراہ۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ
عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

(۲) احکام کی بجا آوری میں حل مشکلات کی دعا:۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۝ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۔ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۳ع البقر)

(ترجمہ) مان لیا پیغمبر نے جو کچھ اُس پر اُترا اُس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب کے سب ایمان لائے اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں پر کہ ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اُس کے پیغمبروں میں سے اور بول اُٹھے کہ ہم نے سُنا اور مان لیا۔ تیری بخشش (چاہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر اُس کی طاقت کے موافق۔ جو کچھ اُس نے اچھا کیا اُس کا نفع اُس کے لئے ہی جو کچھ اُس نے بُرا کیا اُس کا نقصان اُس کے لئے ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو اُس کا مواخذہ نہ کر اور ہم پر ویسا بار نہ ڈال جیسا ان پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے تھے اور ہم سے اتنا بوجھ نہ اُٹھوا جس کی ہم میں سکت نہیں اور ہم سے درگزر کر اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا آقا ہے۔ پس ہم کو کافر لوگوں کے مقابلے میں مدد دے۔

میرے فہم ناقص کے مطابق ان دو آیتوں میں چار چار الفاظ اور جملوں کی کڑیاں ہیں۔
اوّل چار الفاظ اللّٰہ(۱)۔ ملٰئکۃ(۲)۔ کتب(۳)۔ اور رسل(۴)، استعمال ہوئے ہیں اور وہ بھی ترتیب سے

یعنی اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ذریعہ اپنی کتب یعنی احکام اپنے رسولوں پر بھیجتے ہیں جس کی وہ تبلیغ کرتے ہیں۔ جو لوگ ان امور پر یقین رکھتے ہیں یعنی مومن وہ کہتے ہیں "سَمِعْنَا"(۱) جو کچھ تیرے رسول نے کہا ہم نے دل سے سُنا۔ اور "اَطَعْنَا"(۲) تیرے احکام کو مانا۔ غُفْرَانَكَ(۳) رَبَّنَا" اے ہمارے رب (اگر بجا آوری میں غلطی ہو جائے تو) تیری ہی بخشش کی ضرورت ہے۔ (گو مومنوں کے لئے فرشتے طلب مغفرت کرتے رہتے ہیں بمصداق آیۃ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ ۲۴ المومنون) وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ(۴) "اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے کیونکہ تو "اللہ" ہے۔ دُنیا اور آخرت میں تیری ہی بادشاہی ہے۔ الٰہی فیصلہ یہ ہے کہ اس کے احکام انسان کی وسعت اطاعت سے گراں نہیں اور ہر ایک کو اُس کی نیکی اور بدی کا صلہ ملتا ہے اس لئے مومن یہ دعا مانگتے ہیں۔ "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا" یعنی ہمیں گرفت نہ کر "اِنْ نَّسِیْنَآ"(۱) اگر ہم نے جو سُنا تھا اُس کو بھول جائیں۔ "اَوْ اَخْطَاْنَا"(۲) یا احکام کی بجاآوری میں چوک جائیں (الفاظ "نَسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" کے بالمقابل ہیں۔ ساتھ ہی "لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ یہ کہ اگرچہ احکام الٰہی انسان کی وسعت اطاعت سے بالا نہیں ہیں مگر انسان بھول چوک سے اُن کو پورے طور پر کبھی ادا نہیں کرتا) لَا تَحْمِلْ(۳) عَلَیْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا" یعنی تیری بخشش (غُفْرَانَكَ) ایسی ہو کہ ہم کو ہماری خطاؤں کی سزا ایسی سخت نہ دی جائے جو سابقہ اُمتوں کو دی گئی اور "وَلَا تُحَمِّلْنَا(۴) مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ" ہم کو مال و جان کی قربانی میں (اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ) عذر نہیں۔ مگر تو ہماری ناتوانی کو جانتا ہے۔ اس لئے آزمائش میں آسانی درکار ہے (آخری کڑی) "وَاعْفُ عَنَّا" تیرے احکام بھول جائیں تو معاف کر دے "وَاغْفِرْ لَنَا"(۱) احکام کی بجاآوری میں خطا کریں تو بخش دے "وَارْحَمْنَا"(۳) دُوسروں جیسی سزا کی بجائے تیری رحمت چاہتے ہیں۔ اَنْتَ مَوْلٰىنَا(۴) فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ" جان و مال تو ہم قربان کرتے ہیں۔ تو ہی ہمارا مولا ہے۔ کافروں کے مقابلہ میں اپنی نصرت کے ذریعہ ہماری ناتوانی کو دُور کر دے۔

اِس ترتیب کو واضح کرنے کے لئے نقشہ ذیل دیا جاتا ہے:-

	۱		۲		۳		۴	
كُلٌّ اٰمَنَ	بِاللّٰهِ	وَ	مَلٰٓئِكَتِهٖ	وَ	كُتُبِهٖ	وَ	رُسُلِهٖ	(لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ)
	اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ	وَ	غُفْرَانَكَ رَبَّنَا		اَطَعْنَا	وَ	سَمِعْنَا	وَقَالُوْا ←
(الٰہی قانون کے نتائج)	لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ				لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا			(الٰہی قانون)
	رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ		رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا		اَخْطَاْنَا	اَوْ	اِنْ نَّسِيْنَا	رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا (دعا)
	اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ		وَارْحَمْنَا		وَاغْفِرْ لَنَا		وَاعْفُ عَنَّا	

(۳) ہدایت اور منشائے نبوت یعنی رسول کس کام پر مامور ہوتے ہیں :-

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (۲/۲۸ الجمعہ)

اللہ کی تسبیح کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے پاک ذات ہے غالب ہے۔ حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے بھیجا ان پڑھوں میں ایک پیغمبر انہیں میں سے۔ جو پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور ان کو پاک بناتا ہے اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور دانشمندی اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔ اور دوسروں کی طرف بھی ان میں سے جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے۔ اور وہ زبردست ہے حکمت والا ہے یہ اللہ کا فضل ہے عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں اپنی چار صفات کا ذکر فرمایا "مَلِک"۱ "قُدُّوس"۲ "عزیز"۳ اور "حکیم"۴ اور اسی ترتیب سے اپنے رسول یعنی حضور صلعم کی بھی چار صفات بیان فرمائیں۔ اوّل "يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ" رسول اپنے ملک یعنی بادشاہ کے احکام سناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود "قُدُّوس" ہے۔ اس لئے اس کا رسول ("يُزَكِّيْهِمْ") جو اس کے احکام سنتے ہیں اور مانتے ہیں۔ ان کو شرک اور کفر کی آلائش سے پاک کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ "عزیز" یعنی غالب ہے۔ اس لئے اس کا رسول ایسی کتاب کی تعلیم دیتا ہے جو نہ صرف خود غالب اور قادر ہے (جیسا کہ فرمایا وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۗ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (۲۴/۱۹ حم سجدہ) بلکہ وہ ان کو جو اس پر چلتے ہیں۔ دوسروں پر غالب کرتی ہے۔ وہ خداوند تعالیٰ "حکیم" بھی ہے۔ اس کا غلبہ حکمت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کا رسول اپنے پیروؤں کو حکمت یعنی دانشمندی کی تعلیم دیتا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے فیض سے کیسے کیسے صاحب کمال لوگ پیدا ہوئے۔ دراصل ایک آیت

دوسری آیت کا ثبوت ہے۔ لطیف اشارہ یہ ہے کہ خدا کی معرفت رسول کے ہی ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اگر اُس کا رسول خداوند تعالیٰ کے احکام اور اپنی فیض صحبت سے لوگوں کو پاک بناتا ہے۔ تو ضروری ہے کہ وُہ خدا جس نے ایسا رسول بھیجا "قدّوس" ہو۔ ساتھ ہی اس سے سچے نبی اور رسول کی شناخت ہوتی ہے ایسا ہی دیگر صفات کا حال ہے۔

یہ بھی قابلِ غور ہے کہ دوبارہ اپنی صفت میں اللہ تعالیٰ نے "عَزِیْزُ حَکِیْمُ" کیوں فرمایا آیات سے ظاہر ہے کہ یہ تعلیم انہیں پر ختم نہیں ہوگی جو ان آیات مبارکہ کے نزول کے وقت مسلمان ہو چکے تھے۔ بلکہ یہ کہ انہیں میں سے دوسروں کو یہ تعلیم پہنچنے والی تھی۔ چونکہ اس وقت مسلمان کمزور تھے۔ یہ امر ظاہر اغیر اغلب معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے دوبارہ فرما دیا کہ وہ غالب حکمت والا ہے۔ اپنی حکمت سے ان کفار کو مغلوب کریگا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا (الفتح) ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ۔ ترجمہ۔ وہ خدا ایسا ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اُس کو غالب کرے تمام دینوں پر اگرچہ مشرک لوگ بُرا مانیں۔ قرآن کریم میں جہاں لفظ "اٰخَرِیْنَ" 'خ' کی زبر سے آیا ہے وہاں انہیں لوگوں میں کے باقیماندہ لوگ مراد ہیں۔ نہ کہ بعد کے زمانہ کے لوگ جس کے لئے لفظ "اٰخِرِیْنَ" 'خ' کی زیر سے آیا ہے (مثال کے لئے دیکھو سورہ صٰفٰت ۲۳)۔ وَلَقَدْ نَادٰنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ ۝ وَنَجَّیْنٰہُ وَاَھْلَہٗ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ ۝ وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَہٗ ھُمُ الْبٰقِیْنَ ۝ وَتَرَکْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ۝ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ۝

ترجمہ۔ اور یقیناً نوحؑ نے ہم کو پکارا تھا۔ پس ہم ہی تو سب سے اچھا جواب دینے والے ہیں۔ اور ہم نے خود اُسے اور اُس کے اہل کو بڑی تکلیف سے نجات دی۔ اور ہم نے اُس کی اولاد کو باقی رہنے والا قرار دیا اور ہم نے پچھلے آنے والوں کے لئے اُن کا قصہ باقی رکھا۔ نوح پر تمام عالموں میں سلام ہو۔ ہم نیکی کرنیوالوں کو اس طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ وہ یقیناً ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ پھر ہم نے غرق کیا باقیماندہ کو (یعنی اُن کی قوم کے کافروں کو)۔

(۴) وہ خدا اپنے رسول کی معرفت کس طرح کے احکام بھیجتا ہے۔ ایک آیت ملاحظہ ہو۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ	بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انصاف کرنے کا اور
وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ	قرابت والوں کا (مالی امداد) دینے کا اور منع فرماتا ہے
الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ	بے حیائی کے کاموں سے اور ناشائستہ حرکتوں سے
لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝ (۱۴/۹۰ النحل)	اور (ایک دوسرے پر) زیادتی کرنے سے تاکہ تم نصیحت پکڑو

بھلائی اور برائی کے بیان میں یہ کیسی جامع آیت ہے۔ "عدل" تو اعتقاد۔ اقوال و افعال میں درجۂ اعتدال کو قائم رکھنا ہے یعنی ہر چیز کو اُس کی حد پر رکھے۔ اس سے تجاوز نہ کرے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ سب سے اعلیٰ عدل اپنے رب عزّ و جل کی شان میں "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کا اعتقاد ہے۔ پھر درجہ بدرجہ عبادات اور معاملات میں۔ عدل کے اوپر کا طبقہ "احسان" کا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی سے کوئی کام لے اور مزدور کا حق بلحاظ عدل کے چودہ آنے ہو اور وہ شخص مزدور کو ایک روپیہ دیدے تو یہ عدل کے ساتھ کچھ احسان ہے۔ اس سے برتر درجہ "ایتای ذی القربیٰ" ہے۔ میرے ناقص خیال میں یہ الفاظ ہر قسم کے نفقہ اور خیرات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ بنظرِ غایت دیکھیں تو صلہ رحمی کہیں سے کہیں تک پہنچاتی ہے۔ کوئی محتاج۔ فقیر اور مسکین نہیں رہتا جس کی پرورش کسی نہ کسی کے ذمّہ عائد نہ ہوتی ہو۔ یہ دراصل احسان سے بڑھ کر ادائیگی فرائض بھی ہے۔ ترتیب ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے۔

پھر جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ بھی تین ہی ہیں۔ جن میں کہ ترتیب بدتر سے بد کی طرف ہے۔ سب سے اوّل "فحشاء"[1] سے منع کیا۔ یعنی ظاہر بدکاریاں جنہیں شرع نے معصیت قرار دیا ہے۔ اس سے کمتر "منکر"[2] یعنی وہ معاصی جو ظاہر ہو جائیں۔ تو لوگوں کی نظر میں قابل اعتراض ہوں۔ اس کے بعد "بغی"[3] ہے۔ جس کے حقیقی معنے حد سے تجاوز کرنا ہے اور اس میں جملہ برائیاں مثلاً تکبر، ظلم، کینہ، تعدّی وغیرہ شامل ہیں۔

عدل سے انسان ترقی کرتا ہے تو احسان اور ایتاء یعنی خیرات کی طرف قدم بڑھاتا

ہے۔ جب عدل سے گرا تو "بغی" پیدا ہوا۔ اگر نہ سنبھلا تو منکر اور فحشا میں جا پھنسا۔
(رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ)

(۵) کون احکام الٰہی کی پیروی کرتے ہیں اور کون نہیں کرتے

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ	(ذات و صفات) پر یقین رکھے۔ اور (اسی طرح) قیامت
وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى	دن (آنے) پر بھی اور فرشتوں (کے وجود) پر بھی اور
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ	سب کتب سماویہ پر بھی اور (سب) پیغمبروں پر
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ	بھی اور (وہ شخص) مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں اپنے
الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ	حاجتمند رشتہ داروں اور (نادار) یتیموں کو اور
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ	(دوسرے غریب) محتاجوں کو بھی اور مسافروں کو اور
فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ	سوال کرنے والوں کو۔ اور (قیدی اور غلاموں کی)
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ	گردن چھڑانے میں اور (وہ شخص) نماز کی پابندی رکھتا
هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (بقرہ)	ہو اور (مقررہ) زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور جو اشخاص (ان عقائد

اور اعمال کے ساتھ) اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں۔ جب وہ عہد کریں اور وہ لوگ جو صابر رہتے ہیں فقر و فاقہ میں۔ رنج دہ حالت میں اور وقت کارزار کے۔ بس یہ لوگ ہیں جو سچے اور متقی ہیں۔
سبحان اللہ کیسی جامع آیت ہے۔

آیۂ مبارکہ میں تین مختلف قسم کی ترتیب الفاظ ہے (۱) ایمان کی شرائط۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان لانا ہے جو نہ صرف اس دنیا میں حقیقی بادشاہ ہے بلکہ آخرت میں اُس کے روبرو جزا اور سزا کے لئے پیش ہونا ہے۔ وہ اللہ ملائکہ کے ذریعہ اپنی کتب یعنی احکام نبیوں پر بھیجتا ہے۔ جو ان احکام کو دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔
(۲) ایسے لوگ ہی مالی امداد کرتے ہیں۔ حاجتمند قریبی رشتہ داروں یتیموں۔ مسکینوں وغیرہ کی۔ اس میں ترتیب الفاظ حقوق کے لحاظ سے اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ہے (۳) ایسے لوگ

برداشت مصائب میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ فقر و فاقہ رنج و سختی میں اور وقتِ کارزار کے۔ ان الفاظ میں ترتیب برداشت مصائب کے لحاظ سے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے۔

(۴) آیت مندرجہ بالا میں حقوق کے لحاظ سے مستحقین امداد کی ترتیب کا ذکر آیا ہے قرآن کریم نے مختلف پہلوؤں سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ اس لئے چند دیگر آیات درج کی جاتی ہیں :-

نفقہ

(ا) قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ (۲/۱ البقر)	کہہ دیجئے کہ جو کچھ تم مال میں سے خرچ کرو وہ تمہارے والدین کا حق ہے اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا۔ اور جو نیکی (بھی) تم کرو گے اُس کا علم خدا کو یقیناً ہے۔

مالِ غنیمت

(ب) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (۱/۱۰ الانفال)	اور جان لو کہ جب کسی طرح کی غنیمت تمہارے ہاتھ آئے تو اُس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسولؐ کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا حق ہے۔

مالِ فے

(ج) مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (۲۸/۴ الحشر)	جو (مال) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بستیوں کے لوگوں سے مفت (یعنی بغیر لڑائی کے) دلوائے۔ تو وہ اللہ کا (حق) ہے اور رسولؐ کا اور قرابت داروں کا یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا۔

آپ نے دیکھ لیا ہو گا کہ ان سب آیات میں ترتیب حقوق ایک ہی آئی ہے۔ مگر

سورہ الدھر میں جہاں ابرار کی تعریف کی ہے۔ ترتیب دیگر آئی ہے وہاں فرمایا ہے:-

(د) وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ — اور کھانا کھلاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکینوں کو اور یتیموں کو اور قیدیوں کو۔

(۲۹/۱۹ الدھر)

یہاں مسکین کو یتیم سے پہلے ذکر فرمایا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ مسکین عموماً قوت بھی رکھتا ہے۔ عقل بھی رکھتا ہے اور کوشش کرکے کھانا پیدا کر سکتا ہے۔ مگر یتیم نہ اتنا عقلمند ہوتا ہے کہ مانگ کر کھائے۔ نہ قوت رکھتا ہے کہ کما کر کھائے۔ ان دونوں کے بعد قیدی کا ذکر کیا۔ (آجکل کے قیدی نہیں جن کا انتظام گورنمنٹ کرتی ہے) جو کسی طرح کھانا حاصل کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ جس سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ مسکین اور یتیم کی طرح جس جگہ چاہے کسی کے سامنے جا کھڑا ہو کہ اُس کے حال پر رحم کر کے کھانا کھلائے گویا یہاں ترتیب مسکین یتیم اور اسیر کے کھانا حاصل کرنے کی قدرت کے لحاظ سے ہے اور کیسی موزوں ہے۔

سورہ البلد میں ترتیب دوسری طرح آئی ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

(ر) فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ (۳۰/۱۵)

پھر بھی وہ (شکر کی) گھاٹی سے نہ اُترا۔ اور تم کیا سمجھتے ہو کہ (شکر کی) گھاٹی کیا ہے۔ کسی کی گردن چھڑانا ہے یا بھوک کے دن کسی رشتہ دار یتیم کو یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلا دیتا ہے۔ پھر وہ ان لوگوں میں سے ہوتا جو ایمان لائے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر کرنے کی تاکید کرتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی وصیت کرتے رہتے ہیں۔

یہاں چونکہ اس امر کا بیان کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے مال خرچ کرنا طبیعت اور نفس پر اکثر شاق گزرتا ہے۔ اس لئے اوّل سخت اور دشوار امر کا ذکر کیا۔ اور وہ خلاص کرنا ہے گردن کا جس کی کئی اقسام ہیں :-

(۱) آزاد کرنا غلام اور لونڈی کا اپنے مالک کی قید سے (۲) خلاص کرنا جان کا قصاص خون سے (۳) خلاص کرنا قیدی کا کسی ظالم کی گرفت سے (۴) چھڑا دینا قرضدار کا قرضخواہ کی گرفت سے۔ اس کے بعد ان امور کا ذکر ہوا جو اس سے نسبتاً آسان ہیں یعنی قحط اور غلے کی تنگی کے وقت یتیم اور مسکین کو کھانا کھلانا خواہ اپنے نفس کو بھوکا رکھے۔ مسکین پر صدقہ ایک صدقہ ہے اور قرابتی پر صدقہ دو چیزیں ہیں۔ ایک صدقہ اور دوسرا قرابت کا سلوک۔ ترتیب الفاظ ثواب کی راہ سے افضل سے فضل کی طرف ہے۔ "اقتحم" کے لغوی معنی تیزی سے اترنا ہے۔ اہلِ زبان اس استعارہ اور ترتیب سے کیسا حظ اٹھاتے ہونگے! خاصکر جب کہ ان تین چیزوں کے بالمقابل تین اور چیزیں موزوں ذکر کیں یعنی "ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا" اللہ تعالیٰ کے آگے سر بسجود ہونے والا ہی کسی کی گردن دوسرے کی قید سے چھڑائیگا۔ "وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" ایسے ہی صابر اور صبر کی تاکید کرنے والے قحط کے دنوں میں رشتہ دار یتیم کو خواہ خود بھوکے رہیں کھانا کھلاتے ہیں۔ "وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ" اور ایسے ہی رحم کرنے والے محتاج مسکینوں کی امداد کرتے ہیں۔ دیکھئے کیسی عجیب ترتیب ہے۔

زکوٰۃ

(س) إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ؕ (۶۰ التوبہ)	تحقیق صدقات تو محتاجوں کا حق ہے اور مسکینوں کا اور صدقات وصول کرنے والوں کا اور اُن کا جنکی تالیف قلوب منظور ہے۔ نیز گردنیں چھڑانے میں اور قرضداروں کے لئے اور راہِ خدا میں اور مسافروں کے لئے۔

حکم ہوتا ہے صدقات یعنی اموال زکوٰۃ۔ فقرا(۱) اور مساکین(۲) کے واسطے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ صدقہ حلال نہیں کسی غنی کو اور نہ کسی کمائی کی قوت رکھنے والے تندرست کو مگر ضرورت اور احتیاج کے لحاظ سے جس پر کہ ترتیب مبنی ہے ان لوگوں کا فقرا اور مساکین کے بعد ذکر کیا ہے جو باوجود غنی ہونے اور کمائی کی قوت رکھنے کے بھی امداد کے مستحق ہیں

وہ "عاملین علیہا" ہیں کیونکہ جب وہ مال زکوٰۃ کے جمع کرنے پر ہی مامور ہیں تو وہ اور کام نہیں کرسکتے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جن کے دلوں کو تالیف کیا جائے۔ "والمؤلفۃ القلوب"(۴) یعنی وہ جن کے اسلام میں ضعف ہے تاکہ امداد سے وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ بعد میں "فی الرقاب"(۵) کا ذکر ہوا یعنی باندی غلاموں کو آزاد کرنا ہے اس کے بعد "غارمین"(۶) ہیں۔ ایسے قرضدار لوگ جنہوں نے گناہ کے واسطے نہیں بلکہ مباح کاموں کے واسطے قرضہ لیا ہو۔ یا اگر گناہ کے واسطے لیا تھا تو اب توبہ کر چکے ہیں اور اُن کے پاس اس قدر نہیں کہ یہ قرضہ ادا کریں۔ اس کے بعد "فی سبیل اللہ"(۷) ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں جو جہاد کرنے کے لئے قائم ہوں مگر یہ لفظ عام ہے اور اس میں جملہ وجوہ خیر شامل ہیں۔ آخری قسم "ابن السبیل"(۸) ہے یعنی مسافر جس کا زادِ راہ سفر میں ختم ہوگیا ہو۔ اگرچہ وہ اپنے گھر سے تونگر ہو۔ "فی سبیل اللہ" اور "ابن السبیل" کی فصاحت و بلاغت قابلِ غور ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ اقارب اور یتامیٰ کو صدقات کے مصارف میں شامل نہیں کیا۔ قومی فنڈ کے اقارب تو کیا ہو سکتے ہیں۔ یتامیٰ اگر مسکین ہوں تو اُن کی قومی فنڈ سے امداد ہوگی۔ مگر یتامیٰ کا ذکر نہ کرنے میں اشارہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یتامیٰ کے اقارب اُن کی پرورش کریں اور ادائیگی فرض سے کوتاہی نہ کریں۔ جیسا کہ آیت متذکرہ (۳) میں ذکر ہوا۔

غالباً آپ نے یہ بھی دیکھ لیا ہوگا۔ کہ بیوگان کی امداد کا کسی آیت میں صاف طور پر ذکر نہیں کیونکہ قرآن کریم میں حکم ہے۔ "وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ" (۲۴/۳۲ النور۔ ترجمہ۔ اور بیوہ و رانڈوں کو اپنی سے اور نکاح کر دو اپنے نیک پاک غلاموں اور لونڈیوں کو) مگر ایسی بوڑھی عورتیں بھی ہوتی ہیں جن کو نکاح کی اُمید نہیں ہوتی جیسا کہ فرمایا۔ "وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا" (۲۴/۶۰ النور۔ ترجمہ۔ اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی اُمید نہ ہو) ایسی عورتیں اگر حاجتمند ہوں تو وہ "مساکین" میں شامل سمجھی جاوینگی۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ بیوہ اور مسکینوں کے واسطے سعی کرنے والا ایسا ہے جیسا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

(۷) "اینائی امثال تو آپ نے ملاحظہ کرلیں۔ اب احسان کی تاکید اور بخل سے

پرہیز پر حکم الٰہی ملاحظہ ہو۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (۳۶ ۳۷ النسا)

اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نیک سلوک کرو ماں باپ کے ساتھ اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں اور مملوکوں کے ساتھ۔ تحقیق اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اُن کو جو اتراتے اور شیخی مارتے ہیں اور بخل کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو بخل کی صلاح دیتے ہیں اور چھپاتے ہیں اُس کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اور ہم نے ان لوگوں کے لئے جو (ہماری نعمتوں کی) ناشکری کریں ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے

احسان کے لحاظ سے ترتیب افضل حقوق سے ادنیٰ حقوق کی طرف ہے۔ جس کسی سے بھی انسان کا واسطہ پڑتا ہے اُس کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے۔ اس آیت کا پورا حظ اُٹھانے اور اس آیت کا اس موقع پر لانے کا مقصد معلوم کرنے کے لئے اس سے ماقبل کی آیت کو ملا کر پڑھنا چاہیئے۔ آیت یہ ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ (ترجمہ۔ اگر تم کو شوہر اور زوجہ کی مخالفت کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کے کنبہ سے بھیجو اور ایک پنچ عورت کے کنبہ سے اگر وہ دونوں اصلاح کا ارادہ کرینگے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میں ملاپ کرا دیگا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ (زوجین کی مصلحتوں) کو جاننے والا ہے اور (حکمین کے مقاصد سے) آگاہ ہے)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اجنبیوں اور مسافروں تک سے بھی حسنِ سلوک کیا جائے تو وہ کس طرح اس امر کو پسند کریگا کہ انسان اپنی زوجہ سے جو رفیقِ زندگی ہے۔ نیک برتاؤ نہ کرے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَآ اُولِي الْاَبْصَارِ۔

کاش میں اس قابل ہوتا کہ اس آیت کی فصاحت و بلاغت پہ کچھ لکھ سکتا۔ صاحب ذوق تو خود ہی اور نہیں تو روانیِ الفاظ پہ ہی غور کر لیں۔

(۸) بُخل کے نتائج

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ

(۱۱/۱۰ التوبہ)

اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اُس کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے تو تم اُن کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔ اُس دن (کے متعلق) جس دن وہ سونا اور چاندی آتشِ جہنم میں تپایا جائیگا۔ پھر اُس کے ذریعے سے اُنکی پیشانیاں اور اُنکے پہلو اور اُنکی پشتیں داغی جائینگی۔ (اور اُن سے یہ کہا جائیگا) یہ وہی ہے جو تم اپنے نفس کے لئے جمع کرتے تھے۔ پس جیسا تم جمع کیا کرتے تھے (ویسا ہی اب) اُس کا مزہ چکھو۔

ترتیب ملاحظہ ہو۔ چونکہ کنز یعنی خزانہ جمع کرنے والا مسکین اور محتاج کو دیکھ کر بجائے ترحم کے اس سے چین بجبیں ہو کر منہ موڑتا۔ پہلو تہی کرتا۔ اور آخر میں پیٹھ پھیر لیتا ہے۔ لہذا قیامت کو انہیں چاندی اور سونے کے سکوں کو دوزخ کی آگ میں تپا کر (شدتِ گرمی قابلِ غور ہے) اُس کے پیشانی۔ پہلو اور پیٹھ کو داغ دیا جائیگا۔ (کنز وہ مال ہے جس سے مقررہ زکوٰۃ نہ نکالی جائے) عام طور پر اگر کسی کو ذلیل و خوار کرنا ہو تو سب سے اوّل اُس کے چہرہ کو بدنما کیا جاتا ہے جس کو وہ زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ جب بچنے کے لئے وہ پہلو بدلتا ہے تو پہلوؤں پر بھی وہی آفت آتی ہے۔ آخر کار بھاگنے کے لئے پیٹھ پھیرے۔ تو اُس پر بھی کاری ضربیں لگائی جاتی ہیں۔ اِن مقامات کے ذکر سے یہ بھی مقصود ہے کہ داغ دینے میں ہر چہار طرف سے احاطہ کیا جائیگا۔ چنانچہ پیشانی سے اگلی جہت۔ پیٹھ سے پچھلی طرف اور دونوں پہلوؤں سے دائیں بائیں طرف سے احاطہ مراد ہے۔ ربنا وقنا عذاب النار۔

---

۱ نوٹ حاشیہ:- آیت نمبر ۸ میں آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ الفاظ کی ترتیب کیسی موزوں اور حسبِ حال ہے "جنوب" کا لفظ "جباہ" اور "ظھور" کے درمیان عجیب لطف دیتا ہے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۰)

(۹) بخل کے نتائج نو دیکھ لیئے مال کو مال کی خاطر جمع کرنا بھی عبث ہے :-

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ	جان لو کہ زندگانیٔ دنیا سوائے کھیل کود اور آرائش
لَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَ	پیراستگی اور آپس میں بڑائی مارنے کے اور مال
تَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ کَمَثَلِ	اور اولاد کی زیادتی کی خواہش کرنے کے اور کچھ بھی نہیں
غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ	ہے۔ اُس کی (مثال) بارش کی مثال ہے کہ اُس کے
یَھِیْجُ فَتَرٰىہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ	ذریعہ سے نباتات کا پیدا ہونا کسان کو تعجب میں ڈالتا ہے
حُطَامًا وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ	پھر وہ لہلہاتی ہے۔ پھر تم اُس کو پیلا پڑا ہوا دیکھتے ہو
وَّمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٌ ط وَمَا	پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ آخرت میں سخت عذاب
الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ	بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی
(۲۷/۹ الحدید)	اور زندگانیٔ دنیا سوائے دھوکہ کے متاع کے اور کچھ بھی نہیں

ترتیب ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انسانی حیات کا بچپن سے بڑھاپے تک

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۱۹) دوسری جگہ دیکھئے کس خوبی سے یہی لفظ استعمال ہوا ہے جس سے الفاظ کی قدرتی ترتیب کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ	بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن
اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی	کے ادل بدل میں ان صاحبانِ عقل کیلئے موجود ہیں جو کھڑے
الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ	کھڑے، اور بیٹھے (بیٹھے) اور کروٹوں کے بل (لیٹے لیٹے)
قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ	اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش
یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ	میں غور کرتے ہیں (تو یہ کہتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار
الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا	تو نے انہیں فضول نہیں پیدا کیا۔

دیکھئے یہاں "جنوب" کا لفظ آخر میں آیا ہے۔ کیونکہ جو صاحب عقل آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کریگا وہ دُنیا میں اوّل چلے پھریگا۔ "قیام" کی حالت میں تھک کر بیٹھ بھی جائیگا اور مزید تھکن سے لیٹ جائیگا اور لیٹا سوچتا رہیگا لیکن اگر وہ خدانخواستہ بیمار ہو۔ تو پھر اُس کی کیا حالت ہوتی ہے ملاحظہ ہو۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا	اور جب انسان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے
لِجَنْۢبِہٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا	لیٹے لیٹے یا بیٹھے بیٹھے یا کھڑے کھڑے۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۲۱)

یعنی اس حیاتِ دنیا کا جس میں عاقبت کا خیال نہ ہو۔ کیا نقشہ کھینچتا ہے۔ "لعب" بچوں کا کھیل ہوتا ہے۔ اور "لھو" وہ ہے جس سے نوجوان دِل بہلاتے ہیں۔ جب اس سے بڑے ہوئے تو مرد ہو یا عورت اُسے اپنی زینت یعنی آرائش کا خیال ہوتا ہے۔ ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس بڑھ چڑھ کر نفیس چیز ہو اور اسی پر فخر کرتا ہے۔ جب اور بڑا ہوا تو عموماً سوائے اس کے کوئی اور خیال اُس کو نہیں آتا کہ اُس کے مال و دولت اور اولاد میں زیادتی ہو۔ ایسی دنیاوی زندگی کے انجام کو دلنشین کرنے اور اس سے سبق حاصل کرنے کے لئے کیسی مثال دیدی ہے۔ بارش کے پانی سے زمین کی نباتات اُگی۔ سبز ہو کر لہلہائی۔ چندے بعد خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر اُڑ گئی۔ انسان کا بھی یہی حال ہے۔ ایک قطرۂ آب سے پیدا ہوا۔ اپنی تر و تازگی سے سبزہ کی طرح لہلہایا۔ یہانتک کہ جوان ہوا۔ پھر مُرجھایا۔ آخر بوڑھا ہوا اور مر گیا۔ اور مر کر خاک ہو گیا۔ دیکھئے دونوں ترتیبیں کیسی فطرت کے مطابق ہیں۔

اس کے بالمقابل دین و دنیا میں کامیاب ہونے والوں کا یعنی اصحاب رسول اللہ صلعم کا ان الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے۔ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (۲۶/۱۲ الفتح)۔ ترجمہ۔ وُہ کھیتی کی مانند ہیں کہ اُس نے اپنی کونپل نکالی۔ پھر اُس کو قوت پہنچائی۔ پھر وہ موٹی ہو گئی۔ پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ اب کھیتی کرنے والوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ تاکہ اُن کے ذریعہ سے کفار کو غصّہ دلائے۔

(۱) "متاع الحیاۃ الدنیا" کی تعریف سورۂ آلِ عمران میں یوں کی ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ بھلی معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۰) یعنی انسان کو کوئی دکھ پہنچتا ہے تو قدرتاً لیٹ جاتا ہے۔ افاقہ ہوا تو بیٹھ جاتا ہے۔ روبصحت ہوا تو کھڑا ہو جاتا ہے۔ دیکھئے "جنب" کا لفظ ابتدا میں کیسی فطرتی ترتیب پر آیا۔ "او" کا لفظ لانے سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص تکلیف میں ہو تو خواہ وہ لیٹا ہو یا بیٹھا ہو یا کھڑا ہو خدا کو اکثر یاد کرتا ہے کاش ہم صحت کی حالت میں بھی اُس کی یاد سے غافل نہ ہوں۔

النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (۳/۵)	کی مثلاً عورتیں۔ بیٹے۔ لگے ہوئے ڈھیر سونے اور چاندی کے۔ نشان لگے ہوئے مواشی اور زراعت دلیکن یہ سب متاعِ زندگانی دنیا ہیں۔ اور اچھا ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

انسان جب جوان ہوتا ہے تو قدرتاً اُس کو رغبت ہوتی ہے کہ اُس کے بیوی بچے ہوں اور پھر مال و متاع ہو۔ یعنی سونے چاندی کے ڈھیر۔ سواری کا سامان یعنی گھوڑے وغیرہ اور انعام یعنی مویشی بھیڑ، بکری، گائے، بیل، اُونٹ اور ساتھ ہی کھیتی باڑی ہو۔ کیسی قدرتی ترتیب ہے۔ توضیح اس کلام کی یہ ہے کہ اس متاعِ دنیا میں سے کسی چیز کو اُس چیز کے لئے دوست رکھنا خلافِ شانِ مومن ہے۔ اگر اُس چیز کے وسیلہ یا تعلق سے آخرت اور رضائے الٰہی کو دوست رکھا تو محمود ہے۔ کیونکہ اگر ایمان اور اعمالِ صالحہ سے محروم رہا تو یہ سب مال و متاع کام نہ آئیگا۔ جیسا کہ فرمایا یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ ۝ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝ كَلَّا (۲۹/۱) المعارج۔ ترجمہ گنہگار یہ آرزو کریگا کہ وہ اُس دن عذاب سے بچنے کے لئے اگر ہو سکے تو اپنے بیٹوں کو۔ اپنی بیوی کو۔ اپنے بھائی کو اور اپنے کنبے کو جو اُسے پناہ دیتا تھا اور جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ سب کو بطور فدیہ کے دیدے اور نجات پائے ہرگز نہیں) دیکھئے اِس آیت میں بھی ترتیب ہے۔ بلحاظ اُمید تابعداری اور فرمانبرداری کے اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف اور ایسا ہی پناہ دینے کے لحاظ سے بھی۔

(۱۱) حیوٰۃ الدنیا کی نسبت غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو قرآنِ کریم کے الفاظ میں ہی بیان کیا جائے۔ سورۂ "والنّٰزعٰت" پارہ تیس رکوع چار میں یوں آیا ہے:۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ	پس جس نے سرکشی کی ہوگی اور زندگانی دنیا کو اختیار کیا ہوگا یقیناً اُس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اور جو اپنے پروردگار کے

خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی
حضور میں کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا ہوگا۔ یقیناً جنت اُس کا ٹھکانا ہوگا۔

حیاتِ دنیا گویا اللہ تعالیٰ سے مُنہ موڑ کر خواہشاتِ نفسانی کی پیروی ہے۔ نظم اور اور ترتیب الفاظ ملاحظہ ہوں۔ آیاتِ مبارکہ اشعار تو نہیں مگر موثر اشعار سے زیادہ ہیں (شعروں کو اس نظم سے کیا نسبت)

(۱۲) دوزخ سے بچنے اور جنت کے حاصل کرنے کی ایک ترکیب۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۚ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۚ (۴/۱ آلِ عمران)

اے ایمان والو! سود المضاعف (سود در سود) نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ اور اُس آگ سے ڈرو جو انکار کرنے والوں کے لئے ہی تیار کی گئی ہے اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور اپنے پروردگار کی بخشش اور جنت کی طرف دوڑ کر جاؤ۔ جس کی وسعت کل آسمانوں اور ساری زمین کے برابر ہے۔ (جو) پرہیزگاروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ جو فراخی اور تنگدستی میں خرچ کرتے ہیں اور غصّہ کو روکتے ہیں اور (باوجود قدرت کے لوگوں کے قصور) سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ سُود در سُود کھا کر دنیا میں کوئی ایک دو مکان بنا لے۔ گاؤں آباد کرلے۔ جاگیر حاصل کرلے۔ مگر انجام کے لحاظ سے یہ کس قدر گھاٹے کا سودا ہے۔ کہ وہ سُوخور خود ایسی وسیع جنت کو چھوڑ کر آگ کو اپنا ٹھکانا بناتا ہے۔ جنت تو ایسے پرہیزگاروں کے حصّہ میں آئیگی۔ جو نہ صرف سُود سے باز رہتے ہیں۔ بلکہ فراخی تو کیا تنگدستی میں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور سُود خوروں کی طرح دوسروں کی محتاجی اور تنگدستی سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے ان کی محتاجی اور تنگدستی کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر کبھی ان کو رقم

واجب الوصول ہوتی ہے۔ یا کوئی محتاج اُن سے جھٹ کر مانگتا ہے تو وہ اپنے جامے سے باہر نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنے غصے کو روکتے ہیں اور دوسروں کے قصور کو نہ صرف معاف کر دیتے ہیں۔ بلکہ اپنی واجب الوصول رقوم سے بھی دست بردار ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی "محسنین" اللہ کے پیارے ہیں۔

ایک روز حضرت امام حسن علیہ السلام مع اپنے مہمانوں کے دستر خوان پر بیٹھے تھے۔ آپ کا خادم گرم شوربے کا کاسہ مجلس میں لایا۔ اس کا پاؤں حاشیہ بساط پر پھسلا اور کاسہ سر امام علیہ السلام پر گرا۔ اور ٹوٹ گیا اور آتش سر مبارک پر گرا۔ امام علیہ السلام نے از روئے تادیب خادم کی جانب نظر کی۔ زبان خادم سے نکلا "وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ"۔ امام نے فرمایا۔ میں نے غصہ کو فرو کیا۔ پھر خادم نے عرض کیا "وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ"۔ امام علیہ السلام نے فرمایا میں نے عفو کیا، خادم نے بقیہ آیت کو پڑھا۔ "وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ" امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ تجھے آزاد کیا۔ ترتیب الفاظ کی کیسی وضاحت ہے۔

یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کو کسی نے طمانچہ مارا۔ فرمایا۔ میں بھی تجھے مار سکتا ہوں۔ لیکن نہ ماروں گا۔ اور قادر ہوں اس بات پر کہ خلیفہ سے تیری شکایت کروں۔ مگر نہ کروں گا۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ صبح کے وقت تیرے ظلم سے حضرت الٰہ کی طرف نالہ و فریاد کروں۔ مگر نہ کروں گا۔ اور اگر مجھے بروز حشر رستگاری ہو اور شفاعت میری قبول کرے تو تیرے بغیر بہشت میں قدم نہ رکھوں گا۔

اِن دونوں بزرگانِ قوم کا عمل ایک میرے جیسے دنیا دار کو خواہ کیسا ہی حد عمل سے بالاتر معلوم ہو۔ مگر وہ عین تعلیم قرآنی کے مطابق تھا۔ دیکھئے دوسری جگہ فرمایا ہے۔ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ط وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ہ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ہ (۶ النسا)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ تم کسی کی برائی پکارتے پھرو۔ اِلّا یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ ظالم کے ظلم کا اعلان کرے) اور خدا سمیع یعنی سننے والا ہے سخن مظلوم کا اور علیم یعنی جاننے والا ہے ستمگاری ظالم کو۔ اگر تم بھلائی کی کوئی بات ظاہر طور پر کرو یا پوشیدہ طور پر یا عفو کر دو بدی سے

(کہ تم کو اُس پر مواخذہ پہنچتا ہے) (تو ہر حال میں تمہارے لئے نیکی اور احسان کا اجر ہے تحقیق اللہ تعالیٰ ہے معاف کرنے والا عاصیوں سے باوجود کمالِ قدرت کے انتقام لینے پر اور قادر ہے عذاب ظالمین اور ثواب دینے پر معاف کرنے والوں کو)

آیت مذکورہ میں عفو کے لئے نہایت تحریص ہے۔ اِنہی آیات پر ہمارے بزرگانِ دین کا عمل تھا۔

(۱۳) "ایتا" اور "احسان" کی بابت کچھ عرض کیا جا چکا ہے۔ آؤ "عدل" کی ایک آیت پر بھی غور کریں۔ جس میں نفسانی خواہشات کی پیروی سے روکا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ
بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ
أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ
غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا وَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا
تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن
تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا
تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝
(۵/۱۷ النسا)

(ترجمہ) مسلمانو! ایسے ہو جاؤ کہ انصاف پر پوری مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے ہو۔ اگرچہ تمہیں خود اپنے خلاف یا اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف دینی پڑے۔ اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے) تو اللہ (تم سے) زیادہ ان پر مہربانی کرنیوالا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہوائے نفس کی پیروی تمہیں انصاف سے باز رکھے اور اگر تم ادائے شہادت میں بات دباؤ گے یا شہادت دینے میں پہلو تہی کرو گے تو (یاد رکھو) تم جو کچھ کرتے ہو۔ اللہ اُس کی خبر رکھنے والا ہے۔

اس سے بہتر عدل اور سچی گواہی کی اور کیا ترغیب ہو سکتی ہے۔ دوسری جگہ بھی فرمایا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ
بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ
عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ
أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (۲/۶ المائدہ)

(ترجمہ) اے ایمان والو! خدا کے لئے انصاف کے ساتھ گواہ بننے کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ اور کسی قوم کی سخت عداوت تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ اُس کے ساتھ انصاف نہ کرو (ہر حال میں) انصاف کرو کہ یہی تقویٰ کے قریب تر ہے

اب پہلی آیت کی ترتیب ملاحظہ ہو (۱) جھوٹی شہادت اپنے بچانے کے لئے یا اپنے والدین یا اقربا کے لئے دی جاتی ہے۔ یا دولت کی طمع میں یا محتاج کی محتاجی پر ترس کھا کر جھوٹی

شہادت دی جاتی ہے۔

(۲) شہادت کی قسموں میں بھی ترتیب ہے۔ جھوٹی شہادت صاف طور پر کھلے میدان میں دی جاتی ہے۔ یا ضمیر کی ملامت یا دیگر وجوہ مثلاً خوف وغیرہ سے صاف گوئی سے پرہیز ہوتا ہے۔ یا مطلقاً گواہی دینے سے ہی پرہیز کیا جاتا ہے۔

(۱۴) ان امور کا ابتدائی علاج

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ (۱۶ طٰہٰ ۱۳)

(ترجمہ) جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے پاک چیزیں کھاؤ اور اس کے بارے میں سرکشی نہ کرو۔ ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہوگا وہ یقیناً ہلاک ہوگا۔ اور بیشک میں بخشنے والا ہوں اس کو جس نے توبہ کی (شرک سے) اور ایمان لایا (میری واحدانیت) اور نیک کام کئے (فرائض ادا کئے) پھر سیدھی راہ پر چلا (یعنی ہدایت پر استقامت کی)

ہدایت کے لئے ترتیب ملاحظہ ہو۔ اول توبہ۔ اس کے بعد نیک اعمال اور پھر ہدایت پر استقامت۔ حرام کھانے سے پرہیز کے لئے کس قدر تاکید فرمائی اور ساتھ ہی کہدیا۔ کہ اگر تم سے عدول حکمی اور گناہ صادر ہو چکے ہیں تو میں غفار ہوں۔ توبہ کرو۔ یعنی میری طرف رجوع کرو۔ اور "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پر ایمان لاؤ اور نیک کام کرو اور مرتے دم تک اس پر قائم رہو تاکہ نجات پاؤ۔ یہ خدائے حکیم و علیم کا نسخہ ہے۔ کاش ہم اس کو اب بھی استعمال کرکے شفا پاویں

ایک نکتہ ذکر کے قابل ہے۔ وہ یہ ہے کہ بندے کے واسطے تین نام ہیں "ظالم" "ظلوم" اور "ظلام" ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو "غافر" "غَافِرُ الذَّنْبِ" "غَفُوْرٌ" قولہ تعالیٰ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ" اور "غفّار" جیسے اوپر کی آیت میں کہا ہے۔ پس بندہ کو چاہئے۔ کہ اگر اس سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ صادر ہو جائے۔ تو فوراً اس سے توبہ کرلے۔ کیونکہ کوئی گناہ اس کی مغفرت سے وسیع نہیں ہو سکتا۔ مگر صاف دل سے توبہ شرط ہے۔ یعنی اول ندامت گناہانِ گذشتہ پر۔ دوسرے قصد ترک گناہ آئندہ جیسا کہ فرمایا ہے۔

(۱) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ط (اے ایمان والو! تم توبہ کرو اللہ کے حضور میں خالص توبہ)

(۲) اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ہ (۵/۱۸ النسا)

(ترجمہ) مگر ان میں سے جن لوگوں نے توبہ کر لی - اپنی - اپنی (عملی) حالت سنوار لی - اللہ (کے حکم) پر مضبوطی کے ساتھ جم گئے اور اپنے دین میں صرف اسی کے لئے ہو گئے تو ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہونگے اور قریب ہے کہ اللہ مومنوں کو بڑا اجر دیگا -

(۱۵) "طاغین" اور "مومنین" کا انجام عربوں کی اپنی تاریخ کے حوالے سے -

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ - ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ - فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ (۳۰/۴ تین)

(ترجمہ) غور کرو بیچ (ملک) انجیر اور زیتون کے اور طور سینا کے اور اس امن والے شہر کے - بیشک ہم نے انسان کو خوب سے خوب انداز پر بنایا پھر ہم نے اُسے پست سے پست حالت کی طرف پھیر دیا - سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اُن کے لئے بے انتہا ثواب ہے - تو (اے رسول) اس کے بعد روز جزا کے بارے میں تم کون جھٹلائیگا - کیا اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین نہیں ہے -

(نوٹ - فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ" کا زیادہ پسندیدہ ترجمہ یہ ہے - کہ اے منکر بعث و حشر تو (ایسی دلیلوں کے ظاہر ہونے کے بعد) روز جزا اور حساب کی کس طرح تکذیب کرتا ہے)

آیات مبارکہ کے ترجمے سے آپنے دیکھا ہوگا - کہ "تین" اور "زیتون" سے میں نے ملک "تین" اور "زیتون" قرار دیا ہے - اس کی وجہ یہ ہے - جب میں ۱۹۲۸ء میں فریضہ حج ادا کرنے کے بعد کوہ طور واقع سینا سے ہوتا ہوا - بیت المقدس پہنچا اور وہاں سے دمشق کو جاتے ہوئے رستہ میں عربی بچوں سے تازہ خوشنما انجیر لے کر کھائے اور تین اور زیتون کے درخت وہاں بکثرت دیکھے - تو یہ عقدہ حل ہوا - کہ سورۃ "تین" میں اسی ملک کی طرف اشارہ ہے - آیات مبارکہ

میں مزید غور کرنے سے بہت سے بدائع نظر آئے۔ جن کو پڑھ کر اُمید ہے ناظرین نہ صرف اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ "تین اور زیتون" سے ملکِ شام جس میں موجودہ فلسطین بھی شامل ہے۔ مراد ہے۔ بلکہ یہ کہ سورہ ترتیبِ الفاظ اور معانی و مقاصد کے لحاظ سے لاجواب ہے۔

(۱) مقصد اس سورۂ مبارکہ کا یہ ہے کہ عربوں کو اُن کی قوم اور ملک کی تاریخ یاد دلا کر یہ ذہن نشین کرایا جائے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ جو حاکموں پر بھی حکم کرنے والا ہے اپنے مومن اور تابعدار بندوں کو کامیاب کرتا رہا ہے اور جو صراط مستقیم سے بھٹک گئے وہ کس طرح دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے۔ اور کیا یہ امر اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ آخرت میں بھی اسی طرح اعمال کی جزاو سزا ہوگی۔

آپ جانتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ حضرت ابراہیمؑ کے فرزند تھے۔ حضرت اسحٰقؑ اپنے والد کے ساتھ ملکِ شام میں رہے۔ حضرت اسمٰعیل کو حضرت ابراہیم نے "وادِ غیر ذی زرع" یعنی عرب میں بسایا۔ جب حضرت یوسف بن حضرت یعقوب بن حضرت اسحٰقؑ مصر میں بکنے کے بعد بااختیار ہوئے تو انہوں نے اپنے والد اور بھائیوں کو مصر میں بلا لیا جہاں وہ آباد ہو گئے۔ اسی ملک میں حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ پیدا ہوئے اور وہیں سے وہ دونوں پیغمبر اپنی قوم کو ہمراہ لے کر سینا میں آئے۔ جو شام اور عرب کے درمیان ہے۔ اُن کو قوم کی کم ہمتی کی وجہ سے شام میں جانا نصیب نہ ہوا اور سینا ہی میں انتقال کر گئے۔ اُن کے بعد اُن کی قوم سے حضرت طالوتؑ نے شام کو جالوت سے فتح کیا۔ پھر اس قوم میں حضرت داؤد کو نبوت و سلطنت عطا ہوئی۔ اور یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ پر ختم ہوا۔

"تین" اور "زیتون" سے ملکِ شام کی طرف اشارہ ہے۔ جہاں حضرت اسحٰق کی اولاد رہی۔ سوائے حضرت موسیٰ اور ہارون کے جو سینا میں رہ گئے۔ اس لئے حضرت موسیٰ اور اُن کی قوم کا ذکر الفاظ "طور سینین" سے کیا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل نے "بلد الامین" یعنی مکہ کو آباد کیا۔ جہاں سے عربوں کی آبادی بڑھی۔ اس لئے "بلد الامین" سے تمام ملک عرب مراد ہے۔ ان سب ملکوں کے ذکر سے یہ مراد ہے کہ عرب اپنی نسل اور ملک کی تاریخ یاد کریں کہ کس طرح ان میں اولوالعزم اور پیغمبر بادشاہ پیدا ہوئے اور کس طرح اس قوم کے نافرمانوں کو اپنی سرکشی کی وجہ

سے وہ عبرتناک سزائیں ملیں کہ الامان۔ جن کا ذکر آئندہ کچھ آئیگا۔

(نوٹ :۔ عیسو جو حضرت یعقوبؑ کے دوسرے بھائی تھے۔ وہ بھی اپنے چچا حضرت اسمٰعیل کے ساتھ عرب میں آباد ہوئے اور ایسا ہی حضرت ابراہیمؑ کی اولاد جو اُن کی زوجہ قطورہ کے بطن سے تھی۔ اس لئے اُن کو علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔)

(۲) یہ تو جغرافیہ اور تاریخ کی ترتیب تھی۔ پیداوار کے لحاظ سے ترتیب دیکھئے افضل سے فضل کی طرف ہے۔ ملک شام ایک بڑا سرسبز ملک ہے اور اس میں مختلف قسم کے میوہ جات ہوتے ہیں۔ مگر تین اور زیتون اُس کی خصوصیات سے ہیں۔ اُس کی نسبت ایک اور جگہ آیا ہے :۔
سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ۔ (۱۵ بنی اسرائیل۔ ترجمہ۔ پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی رات کے حصہ میں اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اُس کو دکھائیں اپنی نشانیوں میں سے) سینا میں زیتون ہی زیادہ تر ہوتا ہے جیسا قرآن شریف میں آیا ہے۔ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ (۱۸ المومنون۔ ترجمہ اور زیتون کا درخت جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے اور کھانے والوں کے لئے سالن اور روغن لئے ہوئے اُگتا ہے) مگر زراعت کے لحاظ سے مکہ شریف اور اُس کا نواح صرف ریگستان ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کی زبانی قرآن مجید میں آیا ہے۔ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ (۱۳ ابراہیم۔ ترجمہ۔ اے ہمارے رب میں نے تیرے معزز گھر کے پاس اس وادی میں جہاں کھیتی نہیں ہے اپنی کچھ اولاد لاکر بسائی ہے) ۔ عرب کے معنی جنگل کے ہیں۔

(۳) پیداوار کے لحاظ سے تو ترتیب افضل سے فضل کی طرف تھی۔ مگر دینی خیر و برکت کے لحاظ سے ترتیب ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے۔ اُوپر آیت "سُبْحٰنَ الَّذِیْ" والی لکھی جا چکی ہے جس میں ذکر ہے کہ اس مسجد اقصیٰ کے گرد برکت ہے یعنی وہ سرسبز جگہ بھی ہے اور بہت سے پیغمبر بھی وہاں پیدا ہوئے۔ "طور" کا ذکر ایک جگہ یوں آیا ہے۔ فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ

اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (پ ۲ القصص - ترجمہ - پھر جب (موسیٰ) اُس کے پاس پہنچے تو اس مبارک جگہ میدان کے دائیں کنارہ سے ایک درخت سے اُن کو یہ آواز دی گئی - کہ اے موسیٰ میں ہی تمام عالموں کا پروردگار اللہ ہوں یعنی اس جگہ کے لئے لفظ "مبارک" استعمال کیا ہے - مگر مکہ (جو بلد الامین ہیں ہے) کی نسبت کہا - اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ (پ ۴ آل عمران) ترجمہ - تحقیق سب سے پہلا (خدا کا) گھر جو کہ لوگوں کے لئے بنایا گیا - وہ ہے جو مکہ میں ہے - مبارک ہے اور ہدایت ہے - جہان والوں کے لئے) -

(۴) جغرافیہ کے لحاظ سے ایک ترتیب یہ بھی ہے کہ ملک شام کی طرف سے آئیں تو پہلے فلسطین آتا ہے - پھر سینا اور پھر عرب - حضرت کعب بھی لکھتے ہیں کہ "وَالتِّیْنِ" سے مسجد دمشق مراد ہے اور "زیتون" سے بیت المقدس -

(۵) ان مقاموں کے عبادتگاہ ہونے کے لحاظ سے بھی ان الفاظ میں ترتیب ہے سب سے اوّل مقام عبادتگاہ بموجب آیت " اَوَّلَ بَیْتٍ " مکہ شریف بنا - اس کے بعد حضرت موسیٰ اور اُن کے ہمراہی طور اور اُس کے ارد گرد نواح میں خدا کی عبادت کرتے رہے - سب سے آخر حضرت داؤد نے یروشلم میں مسجد اقصیٰ کی بنیاد رکھی اور حضرت سلیمان نے اُسے مکمل کیا -

(۶) ایک اور طرز سے دیکھا جائے تو ملک شام کو " اَرْضِ مُقَدَّس " کے الفاظ سے یاد کیا ہے کہ فرمایا - یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَۃَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ (پ ۶/۸ المائدہ) طور کو " وَادِ الْمُقَدَّسِ " کہا جیسے کہ فرمایا - اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی (پ ۳۰ والنّٰزعٰت) اور مکہ کو بَیْتِ مُحَرَّم اور مَسْجِدِ الْحَرَام کہا جیسا کہ اوپر کی آیات میں گذرا ہے -

(۷) لفظ "بلد الامین" بھی ایک اشارہ ہے - دوسری جگہ اُس کو "حرمًا امنًا" کہا - یہ ہمیشہ مامون رہا اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک رہیگا - اس کے بعد طور کو دیکھیے جو قائم کوہ ہے مگر اُس کا صرف نشان ہی باقی ہے اور دَکًّا دَکًّا (پ ۹) کی زد سے نہ بچا - مگر مسجد اقصیٰ کا نشان تک بھی موجود نہ تھا - اس لئے "تین و زیتون" سے صرف اُس ملک کا حوالہ

دیدیا۔ جیسے مکّہ آباد ہونے سے پہلے ملک عرب کا نام وادِ غیر ذی ذرع رکھا تھا۔

مسجدِ اقصیٰ کی اس تباہی کی نسبت سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں ذکر ہے۔

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ۝ (ترجمہ۔ پھر جب دوسرے فساد کا وقت آئیگا۔ تو پھر ہم دوسرے بندوں کو اُٹھا کھڑا کریں گے۔ جو تمہارے مُنہ بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں گھسے تھے اُسی طرح پھر اُس میں داخل ہوں اور نیست ونابود کردیں پورا نیست نابود کرنا جس پر کہ غلبہ پائیں) تاریخ شاہد ہے کہ پہلی دفعہ بخت نصر نے کس طرح یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور بیت المقدس کو خاک کا ڈھیر کردیا۔ دوسری دفعہ بن کر پھر تیار ہوئی تو طیطوس قیصرِ روم نے بیت المقدس کو جلادیا اور شہر کو بالکل برباد کردیا۔

جائے عبرت ہے کہ ہم مسلمان بھی اپنے کئے کی سزا بھگت رہے ہیں۔ دُعا ہے کہ آئندہ ہی سنبھل جاویں۔ آمین۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (انفال ۵۳) ترجمہ۔ یہ اس لئے کہ اللہ کسی نعمت کا جو کسی قوم کو عنایت کی ہو۔ بدلنے والا نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ اپنے نفسوں کی حالت خود نہ بدل ڈالیں اور بہ تحقیق کہ خدا سُننے والا ہے مشرکوں کی نالائق باتیں اور دانا ہے عقائد باطلہ اُن کے کا)۔

(۱۶) قرآن شریف منبع ہدایت ورحمت ہے۔ اُسی نے ایک مردہ قوم کو زندہ کیا تھا۔ اسی سے اب بھی اسلام زندہ ہوسکتا ہے۔ اگر اس کی پیروی کیجائے۔ حکم ہوتا ہے۔

وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا	اور ہم نے یہ کتاب تم پر صرف اس غرض سے نازل کی ہے
لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ	کہ جس جس بارے میں لوگ اختلاف کرچکے ہیں تم ان لوگوں
وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝	کے لئے کھول کر بیان کردو۔ اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں
وَاللَّهُ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا	اُن کیلئے ہدایت اور رحمت ہو۔ اور اللہ نے آسمان سے
بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي	پانی اُتارا اور اُس کے ذریعہ سے زمین کو اُس کی موت

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ ۭ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ڐ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (۱۴-۱۴ / ۱۵ النحل)

کے بعد زندہ کردیا۔ بیشک اس میں ان لوگوں کیلئے جو (قرآن) سنتے ہیں نشانی موجود ہے اور بیشک تمہارے لئے چوپایوں میں بھی عبرت ہے۔ ہم ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون وغیرہ ہے اس سے الگ کرکے تازہ دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کو بہت ہی گوارا ہوتا ہے اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم نشے کی چیزیں بھی بنالیا کرتے ہو اور اچھی روزی بھی۔ بیشک سمجھنے والوں کیلئے اس میں نشانی موجود ہے۔ اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنالے اور درختوں میں اور چھتوں میں جو لوگ بناتے ہیں۔ پھر ہر پھل میں سے کھا اور اپنے پروردگار کے رستوں میں عجز اور انکساری کے ساتھ چل۔ اس مکھی کے پیٹ سے شربت رنگ برنگ کا نکلتا ہے جس میں آدمیوں کے لئے شفا ہے۔ بیشک غور و فکر کرنے والوں کے لئے اسی میں ایک نشانی موجود ہے اور اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے۔ وہی تمہارا خاتمہ کردیگا۔ اور تم میں سے کوئی کوئی ایسا بھی ہے جو نکمی عمر کو پہنچ جاتا ہے کہ جاننے کے بعد پھر علم سے لاعلم ہو جائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور قدرت والا ہے۔

ان آیات میں مختلف قسم کی ترتیبیں اور لطیف اشارے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس قرآن کو تم پر اُتارا۔ تاکہ اختلافوں کو دور کرے۔ ساتھ ہی وہ ایمانداروں کے لئے ہدایت ہے اور رحمت ہے۔ (ان الفاظ میں بھی اپنی ایک ترتیب موجود ہے) آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اُتارا جس سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اور اس میں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں نشانی ہے یعنی قرآن مردہ دلوں کو زندگی بخشتا ہے مگر ان لوگوں کو جو اُسے

مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ چراغ اور مومنین کو یہ خوشخبری پہنچا دو کہ اللہ کی طرف سے اُن پر بہت بڑا فضل ہے۔

(۲۲/۲ الاحزاب)

اب تو ہدایت اور نجات حضور پُرنور سرور کائنات خلاصۂ موجودات محمد صلعم کی پیروی سے مل سکتی ہے۔ حضور صلعم کے لئے ان آیات مبارکہ میں پانچ صفات کا ذکر ہوا ہے۔ اور کیسی اچھی ترتیب سے۔ پہلے فرمایا "شَاهِدًا" یعنی حال بتانے والا۔ جس کو خود خبر نہ ہو۔ وہ دوسروں کو کیا بتائے۔ اور اُس کے بتانے کا کیا اثر ہوگا۔ جو چشم دید واقعات بیان کرے۔ وہی دوسروں کو کسی راہ پر جانے کے لئے خوش خبری دے سکتا ہے۔ اور اُس کے خطرات بھی بیان کر سکتا ہے۔ چنانچہ "شَاهِدًا" کے بعد "مُبَشِّرًا" (بشارت دینے والا) وَنَذِيرًا (اور ڈرانے والا) کے اوصاف بیان کئے۔ اس کے بعد "دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ" کہا۔ یعنی بلانے والا اللہ تعالیٰ کی طرف اُس کے حکم سے۔ ایسا شخص کیا راہ بتائیگا جس کو نہ راہ کی واقفیت ہو۔ نہ انجام کار کی خبر۔ اصلی راہ بتانے والا وہی ہو سکتا ہے۔ جو منزل مقصود کے مالک کے حکم پر دوسروں کو وہاں بھیجتا ہے۔ انہیں کے لئے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا "سِرَاجًا مُّنِيرًا" (روشن چراغ)۔ راستہ دور دراز تنگ و تاریک ہو۔ اور مالک منزل مقصود مہربان ہو۔ تو راستہ سے بھٹک نہ جانے کے لئے روشنی کا انتظام بھی کر دیتا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں انسانوں پر تاکہ وہ شرک و کفر کی ظلمات سے نکل کر معرفت کا نور حاصل کریں۔ لیکن چونکہ یہ راستہ کٹھن اور دشوار گذار ہے۔ اس لئے ان کے لئے ایک مشعل راہ بھی بنا دی۔ اور وہ حضور پُرنور ہیں۔ اگر لوگ اس مشعل راہ کو اپنا رہنما بنائے رکھیں گے۔ تو راہ سے کبھی نہیں بھٹکینگے۔ دُنیا کا چراغ نہیں ہے۔ کہ کبھی بجھتا ہے کبھی روشن ہوتا ہے۔ آپ اوّل سے آخر تک بذات خود (سورج کی طرح) روشن ہیں۔ آفتاب کو حق تعالیٰ نے "سِرَاجًا وَهَّاجًا" یعنی روشن چراغ کہا ہے۔ آفتاب، چراغ مناظر فلک کا ہے۔ آپ چراغ جان و دل ہیں۔ چراغ گھر والوں کے لئے امن و امان اور راحت کا سبب ہوتا ہے۔ اور چور کے لئے خجلت اور عقوبت کا

باعث۔ آنحضرت صلعم بھی دوستوں کے واسطے وسیلۂ سلامت وکرامت ہیں۔ اور منکروں کے لئے سبب حسرت وندامت۔ اس کے بعد فرمایا "وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِأَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا (اور بشارت دے، مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے واسطے فضل عظیم ہے) یعنی مومنوں کو اپنے اعمالِ صالح کا بہت اچھا اجر تو ملیگا مگر اس سے بڑھ کر حضور صلعم کو حکم ہوتا ہے کہ ان کو بشارت دیں کہ ان کے لئے "فَضْلًا كَبِيْرًا" ہے۔ فضل وہ ہے جو اجر سے زائد ملے۔ جیسا سب سے پہلی آیت میں ذکر ہوا۔ نیز سورۂ محمدؐ میں فرمایا "فَاعْلَمْ أَنَّهٗ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ" (ترجمہ: جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور معافی مانگ اپنے ذنب کی اور مومنوں اور مومنات کے لئے) اس سے واضح ہے کہ حق سبحانہٗ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا استغفار کرنے کے واسطے گناہان اُمت کے۔ اور خلافِ حکمِ خدا حضرت سعادت پناہ سے متصور نہیں۔ پس آپ نے اُمت کے واسطے مغفرت طلب فرمائی ہوگی۔ حق تعالیٰ کی شان اس سے بہت بڑی ہے کہ اپنے حبیبؐ سے فرمادے کہ مجھ سے کوئی چیز طلب کر اور جب آنحضرت صلعم طلب کریں۔ تو وہ عطا نہ کرے۔ دُعا ہے کہ ہم لوگوں کو بھی حضور صلعم کی پیروی سے یہ دولت نصیب ہو۔ آمین

(إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ) يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

یہاں تک تو اخلاقی مضامین کو مدِّنظر رکھتے ہوئے آیاتِ قرآنیہ درج کی گئی تھیں۔ اب ترتیب الفاظ ومعانی کی دیگر مثالیں پیش کی جاتی ہیں ؎

(۱) وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ إِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ثَمٰنِيَةَ أَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّأْنِ	اور چوپاؤں میں سے تمہارے لادنے کے قابل پیدا کئے اور زمین سے لگے ہوئے بھی۔ جو کچھ اللہ نے تم کو عنایت کیا ہے۔ اس میں سے کھاؤ پیو اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے

اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ...... وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ (۱۴۴ الانعام)

کیا ہے آٹھ نر و مادہ (پیدا کئے) بھیڑ کی قسم میں سے دو اور بکری کی قسم میں سے دو ...... اونٹ کی قسم میں سے دو اور گائے کی قسم میں سے دو۔

اس آیۂ مبارکہ میں دو قسم کے انعام ذکر ہوئے۔ "حمولۃ" یعنی بوجھ اُٹھانے والے۔ اور "فرشًا" جو چھوٹے قد کے ہیں اور لادنے کے کام کے لائق نہیں۔ ترتیب میں پہلے بھیڑ۔ پھر بکری کو ذکر کیا۔ کیونکہ بھیڑ بکری نسبتاً قد میں چھوٹی ہوتی ہے۔ "حمولۃ" میں بوجھ لادنے کے لحاظ سے اُونٹ کا گائے بیل سے پہلے ذکر کیا۔ کیونکہ وہ قدآور ہے اور اس پہ بوجھ زیادہ لادا جاتا ہے۔ لیکن "اکل" یعنی کھانے کے لحاظ سے ترتیب ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے۔ سب سے کمزور گوشت بھیڑ کا ہوتا ہے اور سب سے طاقتور گائے بیل کا۔

(۲) وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

اور چوپائے اُس نے پیدا کئے۔ تمہارے لئے اُن میں جاڑے کا سامان بھی ہے اور نفع (بھی) اور اُنہیں میں سے کھاتے بھی ہو۔ اور اُنہیں میں تمہارے لئے زینت ہے جب شام اور صبح لاتے اور لے جاتے ہو اور وہ اُٹھا کر تمہارے بھاری بھاری بوجھ ان شہروں تک لے جاتے ہیں جن تک تم بغیر سخت جانکاہی کے پہنچ نہیں سکتے بیشک تمہارا رب بڑا شفقت کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے اور اُسی نے گھوڑے اور خچر اور گدھے (پیدا کئے) تاکہ تم ان سوار ہو اور تمہاری زینت ہو۔ اور آئندہ وہ ایسی سواریاں پیدا کرے گا جن کو تم نہیں جانتے۔

یہاں انعام کے فائدے بیان کر کے جس میں ایک بھاری بوجھوں کا ایسی جگہوں پر لیجانا ہے۔ جہاں بغیر سخت جانکاہی کے انسان نہیں پہنچ سکتا۔ دوسرے سامان سواری کا ذکر فرمایا اور ترتیب جانوروں کی اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف رکھی۔ اوّل گھوڑا۔ پھر خچر۔ پھر گدھا۔ زینت کے لحاظ سے بھی ان میں یہی ترتیب ہے۔

(۳) وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ (پ ۱۴ ع ۱۷ النحل)

اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں میں آرام کی جگہ بنائی اور تمہارے لئے چوپاؤں کی کھال سے مکان (یعنی خیمے) بنائے جن کو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام کے دن ہلکا پھلکا پاتے ہو اور بھیڑوں اور دنبوں کی اون سے اور اونٹوں کی اون سے اور بکریوں کے بالوں سے تمہارے لئے اوڑھنے بچھانے کے سامان اور نفع اُٹھانے کے اسباب ایک وقت معین تک۔

اس موقع پر انعام کی انکی اون کے لحاظ سے ترتیب اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ہے۔

(۴) وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (پ ۲۷ رحمٰن)

اور زمین کو اُس نے لوگوں کے لئے بنایا ہے جس میں میوے بھی ہیں اور کھجوریں خوشے اور غلاف والی اور بھوسی والا دانہ اور دیگر رزق۔ پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

یہاں ترتیب لطافت کے لحاظ سے اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ہے۔ اوّل میوہ جات کا ذکر ہے نخل خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ یہ میوہ بھی ہے اور اُس کی گٹھلی کا آٹا بھی کھایا جاتا ہے۔ اس کے بعد بھوسہ والا دانہ کا ذکر کیا۔ پھر عام رزق کا۔ اگر "ریحان" کے معنے "خوشبودار" پھول لئے جاویں۔ تو اس میں ترتیب اس طرح ہے۔ اوّل عام میوہ۔ پھر غلاف دار میوہ یعنی نخل۔ پھر غلاف دار اناج۔ پھر کھلی یعنی بغیر غلاف کے چیزیں۔

دیکھئے اقسام خوردنی کس طریقہ سے بیان کئے ہیں:۔

(۵) فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (پ ۳۰ ع ۵ العبس)

پس انسان اپنے کھانے کی طرف غور کرے۔ ہم نے پانی زور سے برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو اچھی طرح سے پھاڑ دیا۔ پھر ہم نے اُگایا اس میں غلّہ اور بیلیں اور جڑ (یعنی جو زمین کے اندر اُگتی ہے) اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغ اور میوے اور گھاس۔ تمہارے نفعے اور تمہارے چوپاؤں کے نفع کے لئے۔

اس آیہ مبارکہ میں کئی قسم کے نکات ہیں۔ اوّل تو جتنی اقسام انسانی طعام کی ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً ہر قسم کا غلہ۔ ہر قسم کی بیل جس کا پھل کھایا جاتا ہے۔ ہر قسم کی سبزی جو زمین کے اندر ہی ہے۔ مثلاً شلجم، آلو وغیرہ۔ زیتون کا لفظ ہر قسم کی تیل والی چیزوں کے لئے استعمال ہوا ہے جو کھائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد میوہ جات کا ذکر ہے۔ مگر یہاں ایک اور طرح کی ترتیب بھی ہے جو خالی از دلچسپی نہیں۔ وہ یہ کہ زیتون عام طور پر جھاڑی کی صورت پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض ملکوں میں اب یہ درخت کی صورت میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہ نخل یعنی کھجور کی طرح ایک جڑ سے دو دو تین تین شاخیں ہو کر نکلتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس لئے اس کو نخل کے ساتھ ایک ہی آیت میں جمع کیا۔ کھجور کا درخت ہر شخص جانتا ہے کہ پتلا لمبا اور اونچا ہوتا ہے۔ لفظ "حدائق" کا استعمال موٹے تنے دار درختوں کے لئے ہوتا ہے۔ میوہ جات کے بعد عام سبزی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان سب کے بعد اس خوراک کا ذکر ہے۔ جو انسان حیوانوں سے حاصل کرتا ہے۔ خواہ گوشت ہو یا دودھ یا چربی وغیرہ۔

خوراک کی طاقت کے لحاظ سے بھی یہی ترتیب ہے اور ہونی چاہیئے۔ حالات روئیدگی کے متعلق بھی یہی ترتیب ہے جو ظاہر ہے۔

(۶) جہاں اپنی قدرت کی نشانیوں کا ذکر ہے۔ وہاں ترتیب یوں آئی ہے :۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً	اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا جس کے ذریعے
فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا	ہم نے ہر قسم کی سبزی پیدا کی پھر اس سے ہم نے ہری
مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا	ٹہنیاں نکالیں جن میں سے ہم جڑے ہوئے دانے نکالتے
وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ	اور درخت خرما کے گابھے سے لٹکتے ہوئے گچھے اور
وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ	انگور کے باغ اور زیتون اور انار پیدا کرتے ہیں۔ ملتے
مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى	جلتے بھی ہیں اور بے میل بھی۔ اس کے پھل کی طرف
ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ	غور کرو جب وہ پھل لائے اور اس کی پختگی کی طرف
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۶/۹۹ الانعام)	بیشک ان میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے نشانیاں موجود ہیں

اس میں دو قسم کی ترتیب ہے۔ ایک تو عام سبزی سے میوہ جات تک۔ دوسرے انکی پیدائش بلحاظ دانہ کے

سب سے اول سبزی کا ذکر کیا پھر اس کے بعد وہ سبزی جس سے غلہ نکلتا ہے۔ غلہ کے بعد میوجات کا ذکر کیا اور ان میں سب سے پہلے کھجور کا ذکر کیا۔ جو حَب بھی ہے اور میوہ بھی۔ اس کے بعد دوسرے میوہ جات کا ذکر کیا اور وہ بھی کس ترتیب سے۔ نخل اور عنب کے فوائد بہت ہیں۔ یہ دونوں عرب اور شام میں بجائے طعام کے کافی ہوتے ہیں۔ اناج کے ساتھ سالن کا کام دیتے ہیں اور کھانا کھا لیا ہو تو بجائے فواکہ کے کھائے جاتے ہیں۔ زیتون کا تیل مالش ہے اور سالن ہے۔ (حضور صلعم نے فرمایا کہ زیتون کھاؤ اور اس کا تیل لگاؤ کہ وہ درخت مبارک سے نکلا ہے)۔ "رمان" میوہ ہے اور دوا ہے۔ دانوں کے لحاظ سے پہلے دانہ متراکب کا ذکر کیا یعنی وہ دانے جو ایک دوسرے پر سوار ہوتے ہیں۔ جیسے گیہوں کی بالی۔ پھر قنوان کا ذکر کیا جو درخت خرما کے طلع میں ہوتی ہے "طلع" وہ چیز ہے جو سب سے اول نخل میں سے برآمد ہوتی اور وہ بالی (سٹہ) کی ہمشکل ہوتی ہے۔ جو اس کے اندر گودا اور گچھا ہوتا ہے۔ اس کو قنو کہتے ہیں۔ "قنوان" کے معنے خوب بھری ہوئی شاخ کے ہیں۔ جو لٹکی ہوئی ہو اور اپنا بوجھ نہ سنبھال سکے۔ پھر دوسری قسم کے دانہ دار پھل کا ذکر کیا۔ اول انگور کا جس کا خوشہ ہوتا ہے۔ مگر اس کے دانے ایک دوسرے پر سوار نہیں ہوتے۔ پھر زیتون کا ذکر کیا جس کا پھل ایک ایک الگ الگ پتہ کے نیچے ہوتا ہے۔ آخر میں رمان یعنی انار کا ذکر کیا جس کے دانے ایک خول میں ہوتے ہیں۔ یہ پھل آپس میں کچھ خاص مناسبت رکھتے ہیں۔ پرانے زمانے میں امارت کی نشانی تھی (Wine within oil withou) شراب پینے کو اور زیتون ملنے کو۔ زیتون اور رمان کے پتے بھالے کی طرح نوکدار ہوتے ہیں۔ مگر پھل کتنا مختلف ہے۔ نہ صرف شکل اور ذائقہ میں بلکہ خواص میں بھی۔ زیتون صلح اور آشتی کی نشانی ہوا کرتی تھی۔ رمان بھی پرانے مصری اسیریوں میں مذہبی معانی رکھتا تھا۔ کون کون سی خوبیوں کا ان پھلوں میں ہیں انسان بیان کرے۔ آخر میں اتنا کہنا کافی ہوگا کہ اپنی قدرت کی نشانیاں بیان کرنے میں ان چیزوں کا خاص طور پر ذکر دیا جن کے خاص خاص فوائد اس زمانہ کے لوگوں کو معلوم تھے۔ تاکہ ان آیات سے نصیحت پکڑیں۔ اور اس کے احکام کے آگے شکر گذاری کے ساتھ سر جھکائیں۔ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ (ترجمہ) جو شکر گذاری کریگا خدا کی نعمت کی پس سوائے اس کے نہیں کہ شکر کرتا ہے واسطے نفس اپنے کے کیونکہ شکر کے سبب سے نعمت ہمیشہ رہتی ہے اور زیادہ ہوتی ہے اور جو کہ ناشکری کرے پس تحقیق کہ رب میرا بے پروا ہے لوگوں کے شکر اور ناشکری سے وہ تو کرم کرنے والا ہے مستحقوں کو نعمت دیکر۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ أَجْمَعِيْنَ

بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔

کتب خانہ
جامعہ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس رفقا، مجلس انتظامی
و صدور شعبہ جات و نصاب پانچ کتابیں ایک ماہ تک اپنے پاس رکھ سکینگے۔
۲۔ اساتذہ جامعہ عثمانیہ و کلیات ملحقہ، گریجویٹ و عہدہ داران جامعہ ایک ماہ کیلئے اپنے پاس رکھ سکینگے اور انٹرمیڈیٹ
اور اراکین دارالترجمہ دس کتابیں، مترجم شدہ دو کتابیں بی اے و تحتانی جماعتوں کے
۳۔ طلباء ایم اے، ال ال بی اپنے پاس رکھ سکینگے۔
کے طلبہ تین کتابیں دو ہفتہ تک اپنے پاس، نہ ہوں تو طلبہ سے حساب
طلبہ پانچ کتابیں، کتابیں واپس لیا جائیگا۔ سکینگی گراں فرض
۴۔ مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ کی جائیں تو ایک آنہ یومیہ فی کتاب جرمانہ لیا جائیگا۔
۵۔ بشرط موقع کتابیں کا لانا لازم ہے۔
یہ کتب خانہ میں کتاب خراب ہو جائیں تو ذمہ داری
۶۔ کتابیں ... عائد ہوگی۔
۷۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان بنایا نہ جائے۔ دکھایا جائے۔
۸۔ قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں جاری نہ کیجا سکینگی۔